''جہاد فی سبیل اللہ'' کی اس دوسری منزل کے آگے مزید تین درجات ہیں: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ [النحل ۱۲۵] اس آیت میں معاشرے میں موجود تین طبقات کی نشاندہی کی گئی ہے، جن کی ذہنی سطح کا خیال رکھنا دعوت میں ضروری ہے:

درجہ اول: ''دعوت بالحکمة'' ''دعوت میں حکمت محض یہ نہیں کہ آدمی کو دیکھو، اس کی نفسیات کو مدنظر رکھو۔ بلکہ یہاں حکمت بھری دعوت ''الموعظة الحسنة'' کے مقابلے میں آیا ہے۔ یعنی مدلل بیان۔ قرآن اپنے مخالفین سے دلیل مانگتا ہے: ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝﴾ [البقرة ۱۱۱، النمل ٦٤] ''اپنی دلیل پیش کرو اگر واقعی تم سچے ہوں۔'' یہ مخالف کو بھی دلیل کا مطالبہ کرنے کا حق دیتا ہے۔

انسانی معاشرے میں ایک طبقہ دماغ کی حیثیت رکھتا ہے، جو انقلابی نظریہ قبول کرکے نیچے تک پہنچاتا ہے۔ اس کے لیے وعظ ونصیحت مؤثر نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے دماغوں میں مختلف نظریات اور اقدار نے ڈیرہ جمایا ہوتا ہے۔ ان کا دماغ پردہ ہے، جو آپ کو دل تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ اس رکاوٹ کو توڑ کر اندر جانا پڑے گا۔ یہاں فتوے بے اثر ہوں گے، منطقی دلیل کارآمد ہوگی۔ باطل محض تو کوئی نظریہ نہیں، باطل ہمیشہ حق کے کسی جز کو لے کر اپنا تانا بانا بنتا ہے۔ باطل اس کے بغیر قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ اب اس میں سے حق کو اور جہاں سے باطل شروع ہوا ہے، اس پوائنٹ کو پہچان لے۔ اندھیرے میں تیر چلانا کارگر نہیں ہوتا۔ علی وجہ البصیرت دعوت دینا چاہیے۔

درجہ دوم: حکمت والی دعوت کے بعد دعوت بالموعظة الحسنة کا درجہ آتا ہے، جس کے مخاطب سادہ لوح عوام ہوتے ہیں۔ آپ کا بیان ''از دل خیزد بر دل ریزد'' ہونا چاہیے۔ اگرچہ زبان مرصع نہ بھی ہو، ٹوٹی پھوٹی زبان میں ہو؛ لیکن خلوص کے ساتھ نکلی ہو۔ اس کا دوسرا اقتضا یہ ہے کہ داعی کے علم وعمل میں ہم آہنگی ہو۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صٰلِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝﴾ [حم السجدة ۳۳] ''بھلا اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے اور خود نیک عمل کرے اور (قول وعمل کے اشتراک سے) بتادے کہ میں فرمان برداروں میں شامل ہوں۔'' آپ اپنی شخصیت کی دھونس نہ جمائیں، بلکہ کہیں کہ میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں۔ یہ بہت مؤثر ذریعہ ہے، لیکن اس سے قبل معاشرے کی ذہین اقلیت کا قائل ہونا کامیابی کے لیے لازمی ہے۔

حفاظتِ حدیث

(تقریب بخاری کے موقع پر علماء وطلباء سے خطاب)

امیر محترم مولانا عبدالرحمٰن حنیف حفظہ اللہ ترتیب: عبدالرحیم روزی

قال تعالیٰ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○﴾ [الحجر: ۹] ''ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت مکہ مکرمہ میں اتاری، جب قرآن کریم کو جادو اور کہانت قرار دیا جارہا تھا۔ اس کے خلاف پروپیگنڈہ اور دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ شکوک وشبہات پیدا کیے جارہے تھے۔ نبی ﷺ اور آپ کے حواریوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے لوگوں کو درس توحید دینے کے ساتھ اس کی حفاظت کی بھی گارنٹی دی جارہی ہے کہ چاہے کفار کی دشمنی بام عروج کو پہنچے، وہ کلام الٰہی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بعد میں بھی قرآن کے خلاف جو تحریکیں اٹھیں اور تحریف وتبدیل کی ناپاک کوشش کریں، اس کے الفاظ میں، اس کے معانی میں شکوک وشبہات پیدا کریں، ان کی فکر اور کوشش ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ (حَافِظُونَ) اسم فاعل کا صیغہ دوام اور ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی آیت کی ضمانت شدہ حفاظت الٰہی میں احادیث مبارکہ بھی شامل ہیں، جو قرآن کریم کی شرعی تفصیل وتشریح ہے۔

۱۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷] ''کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ جو کچھ دیدے اسے لے لو، اور جن چیزوں سے منع کرے سو تم ان سے رک جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا تحفہ یہی حدیث مبارکہ ہے، جس میں اوامر ونواہی، حلال وحرام، مندوبات ومکروہات، عقائد واخلاق، معاملات وسیاست سب شامل ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ مذکورہ آیت کا تعلق صرف مال فے سے اور (اتی) بمعنی اعطی ہے۔ یہ ایک سنگین غلطی ہے اور حق سے دور ہے، جو کہ کم علمی اور کم فہمی کے نتیجے میں کہا گیا ہے۔ اگر (اتی) کا مطلب (اعطی) ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں (وما منعکم) سے تعبیر کرتا، حالانکہ ایسا نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے '' لعنَ اللہُ الواصلةَ والمستوصلةَ......'' والی حدیث بیان کی، پھر اسے اللہ تعالیٰ کے اسی کلام کی طرف نسبت دی۔

علامہ محمد صالح عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت مال فے کی تقسیم کے سیاق سباق میں ہے، لیکن یہ اس کے علاوہ

سارے احکام شریعت کو بھی شامل کرتی ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ جس چیز کو حلال کریں' اسے ہم قبول کریں گے اور ہمیں جس چیز سے منع کریں' رک جائیں گے۔ [شرح رياض الصالحين باب الأمر بالمحافظة على السنة]

۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَ أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ٥٩] یہ آیت کریمہ بھی اس سلسلے میں نص قاطع ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ اقوال وافعال وتقریرات رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اس آیت کریمہ میں امام ابن حزم کے مطابق سارے دین کو جمع کیا گیا ہے، اور (أُولِي الْأَمْر) سے اجماع علماء ومجتہدین امت ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔ ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ٤٤] یہاں سے ذکر سے مراد قرآن اور (لِتُبَيِّنَ) سے مراد نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں۔ بیان کرنے والا نبی ﷺ ہے، اور بیان آپ کی ''سنت مطہرہ'' ہے۔ یہاں پر مقصد نزول قرآن میں یہ بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ اس کی توضیح وتفسیر کریں گے۔ آپ ﷺ کی توضیح سے ہی قرآن مجید کا صحیح مطلب، مفہوم ومعنی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ یہی چیز حرف بحرف پوری ہوئی۔

بہت دفعہ ایسا ہوا کہ مقاصد واسلوب قرآن کو نہ سمجھتے ہوئے کئی صحابہ کرام ﷺ نے غلطی بھی کی، اور آپ ﷺ نے اس کی توضیح وتشریح فرمائی تو ان اصحاب کرام ﷺ کے عمل اور اصل مقصد ومدّ عا میں کافی فرق تھا۔ حالانکہ جس طبقہ پر قرآن اترا وہ اردو یا انگلش دان عجمی نہ تھا؛ بلکہ ٹھوس عرب تھے۔

۴۔ ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ [الإسراء: ٧١] امام سے مراد انبیائے عظام علیہم السلام ہیں، جنہیں اللہ نے واجب الاطاعت امام بنا کر بھیجا ہے۔ جو صحیح معنوں میں اتباع کرنے والے پیروکاروں اور امت کے ساتھ آئیں گے۔ یہ قول مجاہد اور قتادہ کا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ [یونس: ٣٧] اس لیے بعض سلف نے کہا: '' هذا أكبرُ شرفٍ لأصحابِ الحديثِ، لأنّ إمامَهم النبيُّ ﷺ '' [تفسير ابن كثير] ''یہ اہلحدیث کے لیے بڑا شرف ومنزلت ہے، کیونکہ ان کے امام ومقتدیٰ نبی ﷺ ہیں۔'' یعنی اہلحدیث کا کوئی الگ امام نہیں۔ ان کے لیے صرف محمد ﷺ اصول وفروع میں امام ہیں۔ وہی حجت ہے۔ البتہ علماء وفقہائے دین نہایت واجب الاحترام اور قابل عزت ہیں، ان کی گرانقدر خدمات کی قدر اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اقوال وافعال کو نبی ﷺ کے مقابلے میں دلیل وحجت نہیں سمجھتے۔ جو کہ اقرار بالرسالت اور فقہائے عظام کے اقوال کا تقاضا ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ بات ثابت کی ہے کہ اصل امام حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکت ہے۔ صحابہ یا ائمہ مجتہدین آپ ﷺ کے فیض یافتہ ہیں، مستقل بالاتباع نہیں۔ تمام محدثین عظام ہمارے محسن ہیں۔ انہوں نے وضع احادیث کا بروقت احساس کیا اور حفظ احادیث کا اہتمام کیا۔ یہ لوگ جند اللہ اور حزب اللہ ہیں، جنہوں نے نہ صرف لاکھوں احادیث کو یاد کیا، بلکہ صحیح وسقیم احادیث کے مابین فرق کو بھی واضح کر دیا۔ اس کے لیے قواعد وضوابط اخذ کئے، اور چور دروازں کو بند کر دیا۔ یہ شدید ضعیف اور موضوع احادیث اسی لیے الگ کی گئی ہیں۔ بعض محدثین نے انتہائی عرق ریزی سے صرف صحیح احادیث اور فقہ الحدیث کو سالہا سال محنت ومشقت برداشت کر کے الگ کیا، تاکہ متوسط اور عام طبقہ اس ذخیرہ احادیث پر عمل کر سکے؛ کیونکہ صحت وضعف اور منسوخ ومحکم کی پہچان ہر انسان کے بس میں نہیں۔

امام بخاریؒ کی صحیح بخاری اسی سلسلے کی ایک کوشش ہے، آپ نے ١٦ برس کی کمال عرق ریزی سے صحیح بخاری جیسا خالص سونے کا ایک مالا تیار کیا۔ آپ نے اس میں صحیح، مرفوع اور مستند احادیث رسول ﷺ، آپ کی سنت مبارکہ اور تاریخ وسیرت کا ایک خلاصہ جمع کیا۔ اور حسب ضرورت اقوال صحابہ وتابعین بھی ذکر فرمائے، اختصار اور دیگر عوامل کے پیش نظر معلقات بھی لائے ہیں۔ باریک سے باریک تر مسائل اخذ کیے گئے ہیں۔ اس طرح صحیح بخاری حدیث اور فقہ الحدیث پر مشتمل ویکجا ایک کتاب بن گئی ہے۔ اس کی فقاہت، احادیث کے عنوانات سے واضح ہے۔ اسی لیے علماء نے بجا طور پر کہا ہے: '' **فقهُ الحديث فى تراجمِه**'' امام بخاری نے اپنے اس عمل سے بزبان حال وضاحت فرمائی کہ اصل فقہ وہ ہے جو قرآن کریم اور سنت مطہرہ سے کشید ہو، جن میں تکلفات اور ان دونوں مآخذ سے تصادم نہ ہو۔

امام صاحب کا دور عقیدہ کے لحاظ سے پُرفتن تھا۔ ماتریدیہ، اشاعرہ، قدریہ، معتزلہ، جہمیہ، مرجئہ، جبریہ وغیرہ مختلف مکاتب فکر میں بحث ومباحثہ تھا۔ اور بہت سے مسلمان انہی افکار ونظریات کو اپنی کم علمی وکم مائیگی کی وجہ سے عین اسلام سمجھ رہے تھے۔ فقہی میدان میں رائے کو خوب فروغ حاصل تھا، جو کہ کبھی واضح احادیث مبارکہ سے جا ٹکراتی تھی۔ بہت سی ممنوعات وحرام چیزیں مختلف حیلوں سے جائز قرار دی گئی تھیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ احادیث رسول ﷺ ان آراء کے مقابلے میں مسترد ہوتے تھے۔ آپ کا بیک وقت ان سارے مکاتب فکر سے واسطہ پڑا۔ آپ نے دیکھا کہ اطاعت رسول اللہ ﷺ کا پہلو اسلامی دیس میں بدیسی ہو رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے ان تمام افکار کا مقابلہ کیا اور صحیح بخاری کا کافی حصہ ان افکار کی تردید میں صرف کیا۔

اس سے یہ چیزیں واضح ہوگئیں: (١) کتاب وسنت کے عالم کی نظر اپنے حدود اربعہ پر ہونی چاہیے، اور اسلامی